سید احمد شہید سے استفادہ و تعلق مولانا جعفر علی کے والد جناب مولانا سید قطب علی مرحوم اور ان کے چھوٹے بھائی سید حسین علی تکیہ حاضر ہو کر سید احمد شہید سے اسی وقت بیعت ہو چکے تھے جب ممدوح حج سے واپس آئے تھے، مولانا سید جعفر علی اس وقت چونکہ لکھنؤ میں زیرِ تعلیم تھے اس لئے سید صاحبؒ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے، اس پہلی حاضری میں سید قطب علیؒ کو خلافت بھی مل چکی تھی۔ باپ اور بھائی کی زبانی سید احمد شہید کے کمالات، ان کی بزرگی، اتباعِ سنت وغیرہ کے حالات سن کر مولانا جعفر علی سید احمد شہید کے نادیدہ عاشق و فداکار بن چکے تھے۔ مولانا سید قطب علی مرحوم کا پورا گھرانہ سید احمد شہید کا معتقد و فدائی تھا۔ سید قطب علی مرحوم کو جب سید احمد شہید کے قصد ہجرت و جہاد کی اطلاع ملی تو وہ بھی بیعت کے لئے تیار ہو گئے سید احمد شہید نے ضعیفی کے پیشِ نظر ان کو روک دیا۔ لیکن جب جہاد شروع ہو گیا اور وہاں کی تھوڑی بہت خبریں ہندوستان پہونچیں تو سید قطب علی مرحوم کے دونوں صاحبزادے سرحد جانے کے لئے تیار ہو گئے لیکن کسی ایک کا والدین کے پاس رہنا بھی ضروری تھا، کیونکہ والدین انتہائی ضعیف تھے ان کی خدمت از بس ضروری تھی۔ آخر کار مولانا جعفر علی نے چھوٹے بھائی سید حسین علی کو والدین کے پاس رہنے کے لئے تیار کر لیا اور خود سفرِ جہاد پر روانہ ہو گئے، سفرِ جہاد اور اس کے واپسی کے واقعات کو بہت تفصیل کے ساتھ جماعتِ مجاہدین کے اٹھارہ صفحات میں مولانا غلام رسول مہر مرحوم نے بیان کیا ہے طوالت کے خوف سے ہم ان تفصیلات کو اس مقالہ میں درج نہیں کر سکتے۔

سفرِ جہاد کی تفصیلات لکھنے کے بعد مہر صاحب رقمطراز ہیں۔ "یہ حالات میں نے اس خیال سے تفصیلاً بیان کیے کہ سید صاحب کی شان مردم گری کا ایک حد تک اندازہ ہو جائے۔ سید جعفر علی نے سید صاحب کو دیکھا نہ تھا اور براہِ راست ان سے بیعت بھی نہ کی تھی صرف اپنے والد اور بھائی کے واسطے سے کسب فیض کیا تھا۔ لیکن غور فرمائیے کہ اس بالواسطہ فیض نے بھی انھیں عزیمت کا کیسا عجیب و غریب پیکر بنا دیا۔ ذرا تصور کیجئے کہ کہاں گورکھپور ہے اور کہاں پنجتار، راستہ میں مہر صوبتیں

گذرتا اس سے بے تکلف دریافت فرماتے۔ مولانا اسماعیل صاحب کے اس درس سے لوگوں کو بڑا فائدہ ہوا ایک مہینہ تک یہ سلسلہ رہا "۔[1]

کچھ لوگ پرائیویٹ طریقہ پر بھی مولانا اسماعیل شہید سے استفادہ کرتے۔ مولانا جعفر علی رح بھی انھیں میں سے تھے۔ وقتاً فوقتاً مولانا اسماعیل شہید رح سے بھی بعض چیزوں کے پڑھانے کی درخواست کرتے، شاہ اسماعیل شہید رح کبھی کبھی درخواست قبول کر لیتے اور بعض اوقات فرصت نہ ہونے کی وجہ سے معذرت کر دیتے۔ اس زمانہ (قیام بالاکوٹ) میں ملا محمود مولانا سے سورۂ انفال کا ترجمہ پڑھتے تھے۔ مولوی جعفر علی نقوی نے بھی پڑھنے کی درخواست کی مولانا نے فرمایا کہ فرصت بالکل نہیں ہے"۔[2]

مولانا جعفر علی بستوی کی ترقیات میں شاہ اسماعیل شہید کی نظر عنایت کا بڑا دخل رہا ہے۔ موصوف نے مولانا جعفر علی کی ہر طرح ہمت افزائی فرمائی اور ان کی صلاحیتوں سے خاطر خواہ کام لیا۔ مولانا جعفر علی صاحب منظورۃ میں منشی خانہ میں داخل ہونے کی تفصیلات تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ایک دن مولانا اسماعیل شہید نے فرمایا کہ ایک خط امیر المومنین کی طرف سے پایندہ خاں کو لکھو میں نے عرض کیا کہ اس دیار کے القاب و آداب سے واقف نہیں ہوں۔ شاہ اسماعیل شہید رح نے فارسی القاب و آداب بتائے اور خط کا مضمون ہندی میں بتایا۔ میں نے عرض کیا کہ اگر مضمون بھی فارسی میں بتائیں تو جلدی کام ہو جائے، شاہ اسماعیل شہید رح نے بتایا: آپ کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ خط لکھنے سے خائف ہیں؛ خوف نہ کرو۔ اس دیار میں کوئی منشی تم جیسا نہیں ہے۔ میرا بیان کیا ہوا مضمون اپنی عبارت میں لکھو۔ میں نے تعمیل ارشاد میں مضمون لکھ دیا اس کو پڑھ کر شاہ صاحب نے تعریف کی اور اس پر میں نے سید صاحب کی مہر لگائی[3] منشی خانہ میں داخل ہونے کے بعد شیخ ولی محمد اور شیخ بلند بخت کی مہریں مولانا جعفر علی کے حوالہ

---

[1] سیرت سید احمد شہید صفحہ ۲۰۰ ج ۲ [2] سید احمد شہید صفحہ ۳۰۵ ج ۲
[3] منظورۃ السعداء (مخطوطہ) صفحہ ۱۲۰ کتب خانہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

کردی گئیں، منشی فضل الرحمٰن کی شہادت کے بعد مولانا شاہ اسماعیل کی مہر بھی انھیں کے حوالہ کردی گئی۔[۱]

مولانا اسماعیل شہیدؒ کا تحریری کام زیادہ تر مولانا جعفر علی صاحب کرتے تھے، شاہ اسماعیلؒ کو امیر بنا کر اگر کسی جانب روانہ کیا جاتا تو اکثر موصوف ہی کو بطور منشی ان کے ہمراہ بھیجتے۔ "قلعہ سے باہر جتنا اسلامی لشکر تھا اس کا امیر رسالار اعظم مولانا اسماعیل کو بنایا۔ شیخ ولی محمد پھلتی کو ان کا منشیر نامزد کیا سید جعفر علی نقوی اس سمت میں میر منشی کے منصب پر مامور ہوئے"[۲]

مولانا اسماعیل شہیدؒ کی انگوٹھی آخر تک مولانا جعفر علی بستویؒ کے پاس رہی، جنگ بالاکوٹ سے پہلے انگوٹھی نکال کر شاہ صاحب کی انگلی میں پہنا دی تاکہ اگر شہادت ہو تو امانت مالک کے پاس ہو۔ "منشی محمدی انصاری نے آپ کی وہ انگوٹھی جو مہر کرنے کے لئے اپنی انگلی میں پہنے ہوئے تھے آپ کی انگشت مبارک میں پہنا دی تاکہ اگر وہ خود شہید ہو جائیں تو امانت اپنے مالک کے پاس ہو۔ انھوں نے مجھ سے بھی یہ فرمایا کہ مولانا محمد اسماعیل صاحب کی انگوٹھی بھی انگلی سے نکال کر جناب ممدوح کو پہنا دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا"[۳]

مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے ساتھ مولانا جعفر علی کی گرویدگی کی یہ حالت تھی کہ ان کے قلمدان میں مولانا اسماعیل کے بعض مہری و دستخطی خطوط محفوظ رہ گئے تھے۔ "سید صاحب موصوف بالاکوٹ کے بعد وطن لوٹے تو ان خطوط اور تحریرات کو شیخ ولی محمد کی اجازت سے بطور تبرک ساتھ لے آئے۔ تھانے پہنچنے سے پہلے راستے میں قلمدان کسی نے چرا لیا۔ ہر چند اسے تلاش کیا، یہ اعلان بھی کر دیا کہ کاغذات واپس کر دیئے جائیں باقی جتنی چیزیں ہیں وہ سب بصدق دل چھوڑتا ہوں اور چرانے والے سے کوئی پرسش نہ ہوگی لیکن کاغذات نہ ملے"[۴]

اس قدر استفادہ اور تعلق کی وجہ سے سید عبدالحیٔ الحسنیؒ نے اگر یہ لکھ دیا اخذ عن الشیخ اسماعیل بن عبدالغنی الدهلوی (شاہ اسمٰعیل شہیدؒ سے علم حاصل کیا) تو غلط نہیں لکھا بلکہ امر واقعہ کا اظہار کیا۔

---

[۱] منظورۃ السعداء (مخطوطہ) ص ۲۶-۲۷ کتب خانہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ [۲] سید احمد شہید ص ۲۲۵ ج ۲
[۳] سیرت سید احمد شہید ص ۴۳۲ ج ۲ منظورۃ السعداء (مخطوطہ) ص ۱۳۳ - [۴] جماعت مجاہدین ص ۲۰۱ - سید احمد شہید ص ۱۳۴ ج ۲

ایک عہد آفریں شخصیت
مولانا سید جعفر علی بستوی

(از: مولانا عتیق الرحمٰن بستوی صاحب، استاذ مدرسہ امدادیہ مراد آباد)

(۲)

مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید سے خصوصی تعلقات

جہاد کی غرض سے سرحد پہنچنے کے بعد مولانا جعفر علیؒ کو حضرت اسمٰعیل شہیدؒ سے استفادہ کا خوب خوب موقع ملا۔ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کو شروع ہی میں ان کی ذہانت، صلاحیت، شرافت و نجابت کا اندازہ ہوگیا تھا اس لئے موصوف نے ان کو خاص توجہات سے نوازا۔ سید احمد شہید اور ان کے رفقاء نرے سپاہی نہیں تھے۔ بلکہ ان میں بڑے بڑے جید عالم اور اہل فضل و کمال بھی تھے۔ اس لئے یہ کاروانِ جہاد دینی درسگاہ بھی تھا۔ فرصت ملتے ہی یہ لوگ تعلیم و تدریس، اصلاح و تبلیغ میں مصروف ہوجاتے۔ چنانچہ مولانا ابوالحسن علی ندوی رقمطراز ہیں "ایک روز سید صاحب نے مولانا سے فرمایا کہ میاں صاحب، معطل بیٹھے ہوئے دل ہتیں لگتا کوئی کتاب شروع کیجئے کہ دل لگے مولانا نے فرمایا کچھ ارشاد ہو آپ نے فرمایا کہ ہر روز ظہر کی نماز کے بعد عصر تک مشکوٰۃ شریف کا درس فرمایا کیجئے۔ اس روز سے مولانا نے مشکوٰۃ شریف کا درس شروع کیا۔ ہر روز ظہر کی نماز کے بعد عصر تک درس ہوتا تھا۔ سید صاحب اور تمام مجاہدین سنتے تھے۔ مولانا اسماعیل صاحب درس دیتے تھے اور حدیث شریف کے اسرار و نکات سید صاحب بیان فرماتے تھے۔ بعض دن ایک ہی حدیث کے اسرار و نکات بیان کرنے میں عصر کا وقت آجاتا تھا اور بعض دن دو یا تین حدیثوں کی نوبت آتی تھی۔

سید جعفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ ان دنوں اکثر مشکوٰۃ شریف آپ کے ہاتھ میں ہوتی تھی اور آپ اس کا مطالعہ فرماتے تھے۔ کسی کسی لفظ کے معنی نہ معلوم ہوتے تو جو صاحب علم سامنے سے

سے لبریز، قدم قدم پر ندیاں اور دریا، صحرا اور پہاڑ، سواریاں مفقود، ہر جگہ جان کا خطرہ اکثر مقامات پر لوگ غیر ہمدرد و معاون بننے کے بجائے مزاحم ہوتے رہے اور یہ لوگ نوکری یا تجارت کے لئے نہ نکلے تھے کہ شدائد اور صعب کی برداشت تحصیل زر کا ایک لازمہ سمجھی جاتی۔ وہ راحت بھری زندگیاں چھوڑ کر ایک بلند اسلامی نصب العین کی تکمیل اور ثواب آخرت کی تحصیل کے لئے نکلے تھے۔ آج کتنے مسلمان ہیں جو ان کی طرح خدا کی راہ میں صرف خدا کی خوشنودی کے لئے ایسے چند دن بھی بسر کر سکیں جیسے سید جعفر علی اور ان کے ساتھیوں نے کم و بیش دس مہینے بسر کئے" [۱]

مولانا سید جعفر علیؒ صاحب کا قافلہ انیس[۱۹] آدمیوں[۲] پر مشتمل تھا۔ سید احمد شہید نے اس قافلہ کا بہت گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا۔ مہر صاحب نے استقبال کی جو تفصیل لکھی ہے اس سے سید احمد شہیدؒ کے گہرے لگاؤ اور توجہ خصوصی کا پتہ چلتا ہے دولنڈے دریا کو عبور کر کے یہ قافلہ ۹ رمضان المبارک ۱۲۴۹ھ (۴ مارچ ۱۸۳۱ء) کو پنجتار پہنچا۔ سید صاحب اس زمانے میں بمقام امب تشریف فرما تھے ان کے بھانجے سید احمد علی کسی کام کے سلسلے میں پنجتار آئے ہوئے تھے۔ ان سے ملاقات کی ایک روز وہاں ٹھہرے ایک رات گندف میں گذاری۔ ۱۲ رمضان المبارک کو عصر کے وقت ستھانہ پہنچے سید اکبر شاہ نے ٹھہرانا چاہا جعفر علی نے عرض کیا کہ اب امیر المومنین سے ملنے کا اشتیاق ہے جشنو میں حافظ عبد اللطیف اور مولانا مظہر علی سے بھی نہ ملے اور سیدھے امب گئے۔ سید صاحب کو آمد کی اطلاع پہلے مل چکی تھی اور دو مرتبہ استقبال کی غرض سے باہر آکر واپس چلے گئے تھے۔ ایک آدمی بھاگا بھاگا راستہ میں ملا کہ جلد بندوقیں سر کرو۔ تاکہ آمد کا حال معلوم ہو جائے سید صاحب اثر در پر سوار ہو کر پچاس[۵۰] سواروں کے ساتھ آم کے درخت تک آئے۔ بہ آواز بلند السلام علیکم کہا۔ پھر مجاہدین کو دو صفیں بنا لینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب میں کہوں بسم اللہ اللہ اکبر سب بندوقیں سر کریں۔ سید جعفر علی کے قافلہ سے کہا کہ آہستہ آئیں خود تیز چلے گئے اس لئے کہ افطار کا وقت قریب تھا سامنے میں افطار کا سامان آگیا۔ دال مونگ میں نمک مرچ ڈال کر لائے۔ افطار کے بعد جلد از جلد مسجد میں پہنچ کر سید صاحب کی امامت میں نماز ادا کی [۳]

---

[۱] جماعت مجاہدین صفحہ ۲۰۶-۲۰۷ [۲] سید احمد شہید صفحہ ۳۰-۳۱ ج ۲
[۳] جماعت مجاہدین صفحہ ۳۰۶

مولانا سید جعفر علی نے "منظورۃ السعداء" میں اپنی ملاقات کی روداد بہت شرح وبسط کے ساتھ بیان کی، سید جعفر علی اور ان کے رفقاء سید احمد شہید کی نظر میں بہت قابلِ قدر اور کارآمد تھے، چنانچہ سید صاحب نے مولانا جعفر علی سے فرمایا "همسواعیان شما مردم سیاہ سیاہ رنگ اند اما همه جواهر اند" [1] تمہارے ساتھی کالے کالے لوگ ہیں لیکن ہیں جواہرات۔

مولانا جعفر علی برابر سید احمد شہید سے روحانی استفادہ کرتے رہے چوں کہ موصوف کا سونانا جعفر علی کے خاندان سے گہرا تعلق قائم ہو چکا تھا اس لئے خصوصی توجہ فرماتے، سید صاحب اپنے مریدین ومعتقدین اور عام مسلمانوں پر باپ کی طرح شفیق تھے ہر ایک کی راحت کا بے انتہا خیال رکھتے تھے اس کی ایک معمولی مثال ملاحظہ ہو، مہر صاحب کہتے ہیں" جب لشکر کا کوئی حصہ کارو بار جہاد کے لئے باہر بھیجا جاتا تھا تو اس کے ساتھ بھی ایک یا دو منشی ضرور جاتے تھے تاکہ تمام حالات کے متعلق روزانہ اطلاعات مرکز میں پہنچتی رہیں اور سردار لشکر کو مختلف توانین یا سرداروں کے نام خطوط بھیجنے پڑیں تو کوئی دقت پیش نہ آئے۔ مثال کے طور پر سید احمد علی رائے بریلوی کو پھولڑہ بھیجا گیا تو سید جعفر علی نقوی کو ساتھ لے جانا چاہتے تھے، ان کی رائے یہ تھی کہ میر فیض علی گورکھپوری مدت سے منشی خانہ میں مامور ہیں اور لشکرِ اسلام سے رسوم خطاب نیز طریق مکاتبت سے بخوبی واقف ہیں ان کا مرکز میں رہنا بہتر ہوگا۔ سید صاحب نے میر فیض علی سے فرمایا کہ آپ کا بھائی سید جعفر علی نقوی بڑی لمبی منزل طے کرکے آیا ہے اور ابھی ماندگی دور نہیں ہوئی لہذا آپ ہی چلے جائیں۔ انھوں نے عرض کیا بسر وچشم چنانچہ وہ گئے اور جنگ پھولڑہ میں شہادت پائی"۔ [2] مولانا جعفر علی بستوی کو سید احمد شہیدؒ کی طرف سے خلافت بھی ملی۔ [3]

مولانا سید جعفر علی میدانِ جہاد میں

مولانا جعفر علی بستوی رح جب جہاد میں شریک ہوئے اس وقت ان کی عمر اگرچہ زیادہ نہیں تھی وہ صرف ستائیس سال کے نوجوان تھے لیکن انھوں نے اپنی

---

[1] سیرت سید احمد شہید ص ۲۸۹-۲۹۰۔ [2] جماعت مجاہدین ص ۴۶-۴۷
[3] گذشتہ حالات اجودھیا ص ۵۲۔ شجراتِ طیبات ص ۱۸-۲۳

خداداد صلاحیتوں واخلاص وللہیتؒ کی وجہ سے اس مختصر مدت میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے اور بہت جلد ہی مجاہدین کی جماعت میں ان کا ایک مقام ہو گیا۔ اور سید صاحب رح مولانا اسماعیل شہید رح اور دوسرے اکابر وقائدین ان پر خصوصی توجہ فرمانے لگے —— ان کی انشا پردازی اور تحریری صلاحیتوں کی وجہ سے ان کو منشی خانہ میں لے لیا گیا۔ منشی خانہ میں آپ نے کیا کیا خدمات انجام دیں! اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ سردست ان کے مجاہدانہ کارناموں کا ذکر مقصود ہے۔

سید صاحب نے ابتداءً مجاہدین کو پانچ جماعتوں میں تقسیم کیا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ تو جماعتیں بنادی گئیں ہر جماعت کا الگ الگ سرلشکر مقرر کیا۔ ہر جماعت متعدد بھیلوں اور دستوں پر مشتمل تھی۔ ہر دستہ میں کم وبیش ۲۰۔ ۲۵ آدمی ہوتے اور اس کا ایک امیر ہوتا[۱] مولانا جعفر علی اور ان کے رفقاء کا ایک دستہ بنا دیا گیا۔ مولانا سید جعفر علی رح کو ان کا امیر مقرر کیا گیا چنانچہ اپنے دستے کی معیت میں مولانا نے مختلف مقامات پر اہم کام انجام دیئے

مولوی جعفر علی لکھتے ہیں "ارباب بہرام خاں کو ایک جماعت کے ساتھ دوسری جانب بھیجا گیا کہ سکھوں کے لشکر روکنے میں مرزا احمد بیگ کی امکانی مدد کریں۔ مجھے بھی اپنی جماعت کے قوی اور مستعد لوگوں کے ساتھ روانہ کیا گیا میں جب ارباب صاحب کی جماعت کے پاس پہنچا تو انھوں نے فرمایا کہ حضرت امیر المومنین نے سکھوں کا راستہ روکنے کے لئے بھیجا ہے لیکن اب دو چار راستے نہیں ہیں کہ ہم ان کی ناکہ بندی کریں پہاڑ پر پہنچ جانے کے بعد تو بہت سے راستے ہو گئے ہیں[۲]، منظورہ ص ۱۱۷۵

سید جعفر علی رح اگرچہ ایک دستہ کے امیر تھے اور آپ کا دستہ اکثر وبیشتر میسرو میں رہا جس کی قیادت آخر میں مولانا احمد اللہ ناگپوری[۳] کر رہے تھے لیکن بعض اوقات موصوف کو ان کی مجاہدانہ اور قائدانہ صلاحیتوں کی بناپر بڑی جماعت کا امیر لشکر بھی مقرر کر دیا جاتا مثلاً ایک بار جنگ

---

[۱] جماعت مجاہدین ص ۲۳تا۲۵ [۲] حاشیہ سیرت سید احمد شہید ص ۴ ج ۲
[۳] سید احمد شہید ص ۲۶ ج ۲ —

بالاکوٹ) مولانا احمد اللہ ناگپوری نے جو میسرہ کے سرلشکر تھے انھیں اپنا نائب بنایا۔

" مولوی احمد اللہ ناگپوری نے رات کے وقت اپنی پوری جماعت کو کھانے کی دعوت دی شیخ محمد اسحاق گورکھپوری، حافظ مصطفیٰ کاندھلوی اور مولانا سید جعفر علی نقوی اس جماعت میں تھے کھانے کے بعد مولوی احمد اللہ نے مولوی جعفر علی سے کہا کہ میں تو حضرت امیرالمومنین کے ساتھ رہوں گا جماعت کی امارت وقیادت کے فرائض آپ کو انجام دینے ہوں گے۔ مولوی صاحب نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ مجھے افسری کا تجربہ نہیں، بہتر یہ ہوگا کہ حافظ مصطفیٰ کو یہ منصب سونپا جائے۔

مولوی احمد اللہ:۔ حافظ مصطفیٰ بھی میرے ساتھ ہوں گے

مولوی جعفر علی:۔ پھر شیخ محمد اسحاق کو امیر بنا دیجئے۔

مولوی احمد اللہ:۔ وہ ذرا غصہ ور آدمی ہیں اور امارت کے لئے متین آدمی کی ضرورت ہے۔

مولوی جعفر علی:۔ پھر میں حسن خاں بناری کا نام پیش کرتا ہوں۔

مولوی احمد اللہ:۔ بھائی، کیا آپ طے کر چکے ہیں میرا حکم نہ مانیں گے۔

مولوی جعفر علی:۔ میں معافی مانگتا ہوں، محض اپنی ناتجربہ کاری اور ناتوانی آپ پر واضح کر رہا تھا"[۵]

مولانا محمد اسماعیل صاحب نے مولوی احمد اللہ ناگپوری کی جماعت کو جو اس وقت راقم الحروف (سید جعفر علی) کے زیر فرمان تھی اس جگہ متعین فرمایا اور حکم دیا کہ جب سکھوں کا لشکر بندوق کی گولی کی زد پر آجائے، تو اسی جگہ سے ان پر بندوق چلائیں، جب وہ دلدل عبور کرکے بالاکوٹ پر چڑھنے کا ارادہ کریں تو پھر وہ وقت تلوار کا ہے۔ ہر مورچے والے اسی طرح کا عمل کریں۔ خود مولانا ممدوح بڑی مسجد کے نیچے شمال سمت میں اپنی جماعت کے ساتھ بیٹھے

جب آپ کی جماعت شاہراہ پر پہنچی تو اس کے ایک طرف اس خاکسار کی جماعت کا ایک مورچہ تھا اور دوسری مولانا محمد اسماعیل صاحب کی جماعت کا ہم سب آپ کے شریک حال ہو گئے۔ آپ

---

۵ جماعت مجاہدین ص ۲۳۳ ۔ سید احمد شہید ص ۴۳۸ ج ۲

نیچے تشریف لائے اور مسجد زیریں میں توقف فرمایا " لے

"یہ بتایا جا چکا ہے کہ مولوی احمد اللہ کی جماعت کا مورچہ مسجد بالا کی غربی سمت میں قریب ہی تھا اور مولوی صاحب اپنی جماعت کی امارت مولوی سید جعفر علی کو سونپ کر خود سید صاحب کے ساتھ ہو گئے تھے سید جعفر علی فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس چار پائیاں کافی تھیں ان پر بیٹھ کر اسلحہ صاف کر رہے تھے اور ایک دوسرے سے خطائیں معاف کرا رہے تھے ٹھاٹروں کی آڑ میں ہونے کی وجہ سے گولیوں سے محفوظ تھے ہمیں حکم تھا کہ وہاں سے نہ ہلیں۔ سکھ جب کھیتوں میں پہنچ جائیں تو ان پر گولیاں چلائی جائیں۔ جو لوگ کھیتوں سے گذر کر قصبہ کی سمت میں چڑھائی پر پہنچیں ان پر تلواروں سے وار کئے جائیں۔

اس جماعت کے بعض آدمیوں نے کہا کہ بندوقیں دیر سے بھری ہوئی ہیں اگر اجازت ہو تو انھیں سر کر کے نئے سرے سے بھر لیں۔ مولوی جعفر علی نے کہا آپ لوگ چپ چاپ بیٹھے رہیں وقت آنے پر اگر ایک مرتبہ فائر خالی بھی ہو جائیں گے تو مضائقہ نہیں اس وقت شیخ محمد اسحاق گورکھپوری بولے، اب تک دل میں وطن اور اہل و عیال کی محبت جاگزیں تھی۔ اب شہادت اور لقائے باریتعالیٰ کے سوا کوئی آرزو نہیں رہی " ۲ے

مجاہدانہ سرگرمیاں جرات رندانہ، غیر معمولی قوت و شجاعت کی وجہ سے اہم کام سید جعفر علیؒ کے حوالے کئے جاتے اور موصوف ان کاموں کو بحسن و خوبی انجام دیتے۔ جان کی بازی لگا کر ہر پر خطر کام انجام دینے کے لئے کمربستہ رہتے اپنے امراء و قائدین کے ایما پر خطرناک سے خطرناک مشکلات کو زیر کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے

"پائندہ خاں جب بلوئی کو چھوڑ کر اگرور چلا گیا تھا تو اطلاع ملی کہ اس کی چھ زنبورکیں بلوئی سے آگے راستے میں پڑی ہیں، شیخ بلند بخت کو حکم ہوا کہ ان زنبورکوں کو لانے کا انتظام کیجئے۔ شیخ محمد اسحاق گورکھپوری کی تلاش میں آئے۔ سید جعفر علی نقوی نے بتایا کہ شیخ صاحب گھی خریدنے کے

لے سیرت سید احمد شہید صفحہ ۴۳۴ ج ۲ ۲ے سید احمد شہید صفحہ ۳۹۲ ج ۲ - ۳۹۲

سلسلے میں دن بھر پھرتے رہے۔ شام کو واپس آئے تھے۔ نماز عشا جلد پڑھ کر سو گئے ہیں۔ کہتے تھے کہ بہت تھک گیا ہوں، طبیعت بھی اچھی نہیں، مجھے نہ جگانا۔ ساتھ ہی کہا کہ اگر کوئی ضروری کام ہو تو فرمائیے، شیخ صاحب نے فرمایا کہ کام بڑا اہم ہے یا تو شیخ صاحب اسے انجام دے سکتے ہیں یا آپ خود تیار ہو جائیں اور کسی کے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔ سید جعفر علی تیار ہو گئے۔ شیخ بلند بخت نے کہا اپنی جماعت میں سے چار پانچ آدمی لے لیجئے۔ چالیس آدمی میں دیتا ہوں انھیں لیکر آدھی رات سے قبل چھتر بائی میں مولانا خیرالدین شیرکوٹی کے پاس پہنچ جائیے وہ زنبورکیں لانے کے متعلق جو مشورہ دیں ان پر عمل کیجئے!

چنانچہ سید جعفر علی اسی وقت روانہ ہو کر چھتر بائی پہنچ گئے۔ مولوی خیرالدین نے فرمایا کہ صرف پانچ آدمی آپ لے لیجئے اور چھ شہسوار رہبر میں دیتا ہوں۔ سید جعفر علی کے علاوہ چار اصحاب کے نام یہ تھے۔ امان خاں، اللہ داد خاں، پیر محمد خاں اور شرف الدین یہ چھ آدمی جالے میں بیٹھ کر دریا سے پار اترے اور ایک گاؤں میں پہنچے۔ رہبروں نے گاؤں والوں کو آواز دی اور سید جعفر علی کے کہنے کے مطابق بتا دیا کہ یہ امیرالمومنین کے آدمی ہیں۔ پائندہ خاں کے تعاقب میں جا رہے ہیں اور آدمی بھی آرہے ہیں چپ چاپ بیٹھے رہو اگر کوئی معاندانہ حرکت کی تو گاؤں نذر تاراج ہو جائے گا۔

وہاں سے سخت گھاٹیوں کو طے کرتے ہوئے یہ ایک مقام پر پہنچے جہاں اونٹ اور زنبورکیں تھیں پائندہ خاں کے آدمی اس کے پاس بیٹھے تھے چھ زنبورکیں بتائی گئی تھیں لیکن ان کے پاس صرف چار تھیں۔ بقیہ کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا کہ ایک چھتر بائی ہی میں ہے اور ایک بگڑ گئی تھی اسے مرمت کے لئے پاس ایک گاؤں میں دے آئے ہیں۔ سید جعفر علی نے پائندہ خاں کے آدمیوں کو بتایا کہ جو کچھ تم کو خاں صاحب سے ملتا تھا وہی ہم دیں گے۔ ہمارے ساتھ ہو جاؤ۔ کہنے لگے کہ ہم حقہ پیتے ہیں۔ سید جعفر علی نے بتایا کہ حقہ کشی پر کسی کو سزا نہیں دی جاتی البتہ ہم اس کو مکروہ سمجھتے ہیں لیکن بھنگ وغیرہ مسکرات کے لئے سزا ہے۔ غرض انھیں راضی کر کے چاروں زنبورکیں اونٹوں پر سوار کرائیں پانچویں کے لئے دو آدمی اس گاؤں میں بھیج دیئے جہاں وہ مرمت کے لئے دے رکھی تھی چھتر بائی کا

گھاٹ دو بند سے قریب تھا جہاں سکھوں کی چوکی تھی۔ سید جعفر علی نے حکم دیدیا کہ اگر سکھوں کی گڑھی سے کوئی باہر نکلے تو فوراً از خود رکیں سرکی جائیں۔ گھاٹ پر پہنچے تو مولوی خیر الدین شیر کوٹی سامنے کے میدان میں نماز عید الاضحیٰ ادا کر رہے تھے نماز سے فارغ ہو کر انہوں نے جائے بھیجے تو سب لوگ سوار ہو کر چھتر بائی پہنچے رات بھر سخت زحمتیں برداشت کی تھیں سید جعفر علی کو بخار آگیا لیکن بیماری کی حالت میں بھی چھتر بائی میں نہ رکے اور اسب پہنچ کر خود رکیں پیش کر دیں" سلہ

جنگ بالاکوٹ جو سید احمد شہید رح کی معیت میں آخری معرکہ تھا اس میں مولانا سید جعفر علی صاحب نے بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا مولانا احمد اللہ ناگپوری نے میسرہ کی قیادت آپ کے سپرد کی تھی آپ آخر تک بڑی بے جگری سے جہاد کرتے رہے، آخری مرحلہ تک موصوف سید احمد شہید کے قریب رہے، حتیٰ کہ مولانا محمد جعفر تھانیسری نے ان کو سید احمد شہید کا باڈی گارڈ لکھ دیا، جس کی تردید مولانا غلام رسول مہر نے سید احمد شہید سلہ میں کی ہے ۔

شہید بالاکوٹ کے آخری حالات ذکر کرتے ہوئے مہر صاحب سید جعفر علی رح کا بیان نقل کرتے ہیں:-

"سید جعفر علی لکھتے ہیں کہ میدان میں تھوڑے سے غازی رہ گئے بائیں جانب سے امان اللہ خاں لکھنوی آئے میں نے پوچھا۔ خاں صاحب!۔ یہ کیا ہوا! میدان غازیوں سے خالی ہو گیا وہ بولے بصد افسوس ہمیں شکست ہوئی اس اثنا میں شیخ ولی محمد آگئے ۔ باہم مشورے کے بعد طے ہوا کہ جو چھوٹی سی جماعت مٹی کوٹ کے دامن میں سکھوں کے مقابلے پر رہ گئی ہے ۔ اسے ہٹا کر بالاکوٹ لے چلیں ۔ اس طرف اور غازی بھی ہوں گے تو ممکن ہے سکھ جان کے خوف سے قصبے میں داخل نہ ہوں چنانچہ یہ غازی قصبے کی طرف ہٹ گئے۔

چونکہ یہ صورت بظاہر پسپائی کی تھی اس لئے سید جعفر علی لکھتے ہیں۔ میں بار بار کہہ رہا تھا کہ الٰہی تو جانتا ہے کہ ہم دشمن کے خوف کے باعث پیچھے نہیں ہٹ رہے بلکہ اصلاح احوال کی غرض سے مورچہ بدل رہے ہیں سکھوں کی گولیاں اس شدت سے آ رہی تھیں کہ مولوی جعفر علی کے سارے کپڑے چھلنی ہو گئے ۔ دوسرے غازیوں کی حالت بھی یہی تھی یہ اوپر کے کھیت سے نیچے کے کھیت میں کودتے گولیاں اوپر کے کھیتوں کے پشتوں

سلہ سید احمد شہید صفحہ ۱۹۵-۱۹۶ ج ۲ سلہ سید احمد شہید صفحہ ۴۲۵ ج ۲

بوچھاڑیں اور اس سے جو مٹی اڑتی وہ ان کے سروں پر گرتی۔ اسی حالت میں یہ دائیں بائیں اور آگے پیچھے کے غازیوں کو آواز دیتے جا رہے تھے کہ قصبہ کا رخ کرو۔ جب مسجد زیریں سے آگے بڑھے تو معلوم ہوا کہ سکھوں کا ایک جیش جنوبی سمت سے پیش قدمی کرتا ہوا بالاکوٹ میں داخل ہو چکا ہے۔ گویا قصبے میں مورچہ بنانے کی جو اسکیم طے ہوئی تھی اس پر بھی عمل کی کوئی صورت نہ رہی۔" سلہ

آزمائشیں ہی آزمائشیں

اللہ کے راستے میں بہت سے لوگ نکل پڑتے ہیں۔ حرارتِ ایمانی، جذبۂ دینی سے مجبور ہو کر لوگ اس خار دار وادی میں قدم رکھ لیتے ہیں۔ لیکن راہِ حق کی آزمائشوں اور مشکلات سے تنگ آ کر بہت سے لوگ منزلِ مقصود پر پہنچنے سے پہلے ہی کاروانِ حق و صداقت سے جدا ہو جاتے ہیں۔ ایسے پرعزم و باحوصلہ لوگ کم ہوتے ہیں جو کانٹوں کی سیج پر مردانہ وار چلتے ہوئے "مخمل" کو جا لیتے ہیں۔

مولانا جعفر علی بستوی نے عیش و آرام، سکون و اطمینان کی زندگی چھوڑ کر اپنے لئے جس راستے کا انتخاب کیا تھا اس راستے پر قالین اور پھول بچھے ہوئے نہیں تھے بلکہ قدم قدم پر خار دار جھاڑیاں، گھاٹیاں اور ٹیلے تھے۔ ان کی ثابت قدمی اور استقامت کی آزمائش کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا کیا لیکن وہ مسکراتے، صبر و شکر کرتے ہوئے راہِ حق کی تمام مشکلات کو جھیل گئے۔ بستی سے سرحد کا سفر بڑا پرخطر، ہیبتناک تھا۔ قدم قدم پر مشکلات اور رکاوٹوں کا سامنا تھا مگر راہِ حق کے اس مسافر نے اپنے بے پناہ عزم و حوصلہ سے مشکلات اور موانع پر قابو پایا۔ سرحد پر پہنچنے کے بعد بھی آرام و سکون میسر نہیں آیا۔ میدانِ جہاد میں جتنا عرصہ گذارا وہ تلواروں کی جھنکار، گولوں کی گھن گرج، گولیوں کی سنسناہٹ میں گزرا۔ آپ چند مثالیں ملاحظہ فرما کر ان کی پریشانیوں اور مشکلات کا اندازہ کیجئے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی بارے لشکر مجاہدین بالاکوٹ میں لکھتے ہیں (مولوی جعفر علی اپنی سرگذشت بیان کرتے ہیں) کہ ہم نے عصر کی نماز پہاڑ کے نیچے ادا کی۔ برف پتھروں کے نیچے بہہ رہی تھی، شام کے قریب چڑھنے کی نوبت آئی۔ برف کی کثرت ... سارے پہاڑ اور درخت سفید تھے اونچا نیچا کچھ معلوم نہیں ہوتا تھا۔ سید صاحب آگے آگے چلتا تھا اور تمام لشکر ان کے پیچھے پیچھے ... مغرب کی نماز کا وقت کسی کو پہاڑ کے

سلہ سید احمد شہید صہ ۱۸۱

اور کسی کو کھو میں آ گیا کسی نے اشارے سے نماز ادا کی کسی نے اور طرح سے۔ لشکر قطار باندھے چلا جا رہا تھا ایک آگے ایک پیچھے چل رہا تھا جیسے تسبیح کے دانے ہوتے ہیں۔ آگے کا آدمی جس جگہ قدم رکھتا تھا پیچھے والا آدمی اسی پہ قدم رکھے ہوئے چلتا تھا دائیں بائیں کسی طرف پاؤں نہیں رکھتا تھا کہ مبادا کوئی گڑھا ہو یا اندر سے زمین خالی ہو اور وہ اسی میں غرق ہو جائے۔

جب پہاڑ کی چوٹی سے اترنا ہوا تو اور زیادہ دشواری محسوس ہوئی۔ کہیں کہیں تو ایسی نوبت آئی کہ سر نیچے پاؤں اوپر کرکے اترنا پڑا۔ ہاتھ پاؤں درد کرنے لگے۔ اور ہاتھ پاؤں میں کثرت سے کانٹے چبھ گئے۔ لیکن سردی کی شدت کی وجہ سے تمام بدن ایسا شل ہو گیا کہ کانٹوں کے چبھنے کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی تھی بدن کے بیرونی حصے میں سردی سے تکلیف محسوس ہوتی تھی اور سینے اور پیٹھ میں روئی کا لباس پہنے ہوئے ہونے کی وجہ سے پسینہ تھا۔ سانس پھولنے کی وجہ سے زبان سے بات نہیں نکلتی تھی۔ ہر شخص ہر سانس کو دم واپسیں سمجھتا تھا اس لئے گرتے وقت کلمۂ توحید اور اللہ کا نام ورد زباں ہوتا تھا۔[1]

مولانا غلام رسول مہر اپنی کتاب سید احمد شہیدؒ کے "باب بالاکوٹ اور سیچوں" میں ایک اسی قسم کا واقعہ لکھتے ہیں (مولوی جعفر علی نقوی پر بھی ایسی ہی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ انھوں نے اپنا سارا سامان قرابین، شمشیر اور لحاف ایک پنجابی غازی کے حوالے کیا، جس کا نام برکات تھا اور کہا کہ اگر میں زندہ بچا تو لے لوں گا۔ ورنہ اسے بیت المال میں دیدینا۔ پھر ایک گوجر سے کہا میری دستار لے لو اور کسی طرح مجھے گاؤں میں پہنچا دو۔ صرف دستار کی پیشکش اس لئے کی کہ جو سامان وہ گھر سے لائے تھے اس میں سے محض دستار باقی رہ گئی تھی۔ باقی کپڑے بھی بیت المال کے تھے اور انھیں کسی کے حوالے کرنا مولوی صاحب کے تقویٰ کے خلاف تھا۔ مولانا کو گوجروں نے گاؤں میں پہنچا دیا تو پھر مولوی جعفر علی کو چارپائی پر ڈال کر لے گئے۔

جس مکان میں مولانا اور مولوی جعفر علی کو رکھا گیا وہاں آگ لگا دی گئی لیکن تاکید کر دی کہ

---

[1] سیرت سید احمد شہید صفحہ ۱۲۲-۱۲۳
ج ۲

دیکھنا آگ کے قریب نہ آنا ورنہ ہاتھ پاؤں بیکار ہو جائیں گے اسی شام کو مشی کوٹ میں معناً کا چاند دیکھا۔ مولانا دوسرے روز بالاکوٹ پہنچ گئے۔ مولوی جعفر علی نقوی ہاتھوں اور پاؤں پر گھی اور نمک مل کر دھوپ میں لیٹے رہے جب چلنے کے قابل ہوئے تو مشی کوٹ سے چلے " ۱

" سید جعفر علی نقوی منشی خانہ کے معزز رکن تھے۔ جنگ مایار کے بعد جن اصحاب کو شاہ اسمٰعیل کے ساتھ مردان جانے کا حکم ملا، ان میں سید جعفر علی بھی تھے وہ فرماتے ہیں میں نے شاہ صاحب سے عرض کیا کہ رات کچھ نہ کھایا تھا دن کے وقت ایک خشک ٹکڑا ملا، وہی کھا کر پانی پی لیا، اجازت ہو تو جلدی جلدی دو نوالے کھا لوں۔ انھوں نے فرمایا کہ روٹی ساتھ لے لو، اور وہ سے باہر نکل کر کھانا سید جعفر علی نے اسی پہ عمل کیا " ۲

منشی خانہ سے وابستگی

مولانا جعفر علی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی انشا پردازی، ادبیت، تحریری لیاقت کی بنا پر بہت جلد منشی خانہ میں لے لیا گیا منشی خانہ کے لئے ان کا انتخاب اگر ایک طرف ان کی ادبیت اور قوتِ انشاء پر دلالت کرتا ہے تو دوسری طرف اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ سید صاحب اور ان کے رفقاء کو مولانا جعفر علی پر پورا بھروسہ تھا وہ حضرات موصوف کے اخلاص، راز داری، وفاداری کے قائل تھے۔

منشی خانہ سے وابستگی کی روداد مولانا موصوف نے خود منظورۃ السعداء میں تفصیل سے بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ " شیخ امیر اللہ خاں ساکن تھانہ بھون نے جو ایک ان پڑھ، صائب متقی پرہیزگار آدمی تھے، انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ ایک خط میرے لڑکے محب اللہ کو لکھیے، لیکن میں جو کہوں وہی لکھیے، مفہوم میں تغیر نہ ہونے پائے (عام طور پر لوگ عبارت آرائی کی دھن میں مقصد بدل دیا کرتے ہیں) میں نے خط لکھا۔ خط سن کر بہت مسرور ہوئے۔ ان کے ہاتھ یہ خط امیر المومنین سید احمد شہید رح کے پاس پہنچا۔ انھوں نے خط کا مطالعہ کر کے فرمایا کہ یہ شخص منشی خانہ کے لائق ہے " ۳

---

۱ سید احمد شہید ص ۳۴۹-۳۵۰ ج ۲۔ ۲ جماعت مجاہدین ص ۸۶ ۳ منظورۃ السعداء فی احوال الغزوات والشہداء مخطوطہ کتب خانہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ص ۲۶-۲۷

اس کے بعد مولانا جعفر علیؒ نے ایک دوسرا واقعہ ذکر کیا ہے جس کو ہم مولانا اسماعیل شہیدؒ اور سید جعفر علیؒ کے خصوصی روابط کے ذیل میں ذکر کر چکے ہیں۔ اس واقعہ میں ہے کہ مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ نے فرمایا "اس دیار میں آپ جیسا کوئی دوسرا منشی نہیں ہے" [1] شاہ اسماعیل شہیدؒ جیسے زبردست ادیب اور انشاپرداز کا یہ تعریفی جملہ سید جعفر علیؒ کے لئے بہت بڑی سند ہے۔ منظورۃ السعداء کا مطالعہ کرنے کے بعد موصوف کی ادبیت اور انشاپردازی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ سید جعفر علی بہت سلیس اور رواں لکھتے ہیں۔ ان کے یہاں الفاظ کی بھرمار اور عبارت آرائی نہیں ہے۔ اس قدر سلیس اور شستہ عبارت لکھتے ہیں کہ ایک معمولی فارسی داں بھی ان کی بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ موصوف کے دور میں عبارت آرائی، قافیہ بندی کا دور دورہ تھا لیکن انھوں نے عام روش سے ہٹ کر سہل عبارت، چھوٹے جملوں، عام فہم الفاظ کا استعمال کیا۔ ان کی تحریروں کے مطالعہ کرنے والے کو محسوس ہوتا ہے کہ عصر حاضر کا کوئی فارسی ادیب موجودہ زمانہ کے مذاق و اسلوب کو مدنظر رکھتے ہوئے شستہ و شیریں عبارت لکھ رہا ہے۔

شیخ امیر اللہ خاں تھانوی نے سید جعفر علی سے اپنے لڑکے کے نام جو خط لکھوایا تھا اسی سے سید احمد شہید اور مولانا شاہ اسماعیل شہید کو سید جعفر علی کے بلند پایہ ادیب و انشاپرداز ہونے کا علم ہو گیا تھا۔ اس خط کو پڑھ کر شیخ امیر اللہ خاں تھانوی بہت مسرور ہوئے تھے کیونکہ اس کے اندر ان کے دل و دماغ کی باتیں بڑے اچھے پیرایہ میں ادا ہو گئی تھیں۔ اپنے جذبات و خیالات اور دلی احساسات کو ایک اوسط درجہ کا ادیب بھی کامیاب طریقہ پر بیان کر سکتا ہے۔ لیکن دوسرے آدمی کے جذبات و خیالات امنگوں اور تمناؤں کو اس کی منشا کے مطابق قلمبند کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ اکثر انشاپرداز اس مرحلے میں ناکام ہو جاتے ہیں کیوں کہ ان کو یہ فکر دامن گیر ہو جاتی ہے کہ عمدہ سے عمدہ عبارتیں اور ترکیبیں لائی جائیں، پرشوکت الفاظ اور جملوں کا استعمال کیا جائے تاکہ لکھوانے والا ادبیت کا معترف ہو جائے عبارت آرائی کا جنون لکھوانے والے کے منشا و مراد سے غافل کر دیتا ہے۔ آخر کار ادیب اپنی کوشش میں ناکام ہو جاتا ہے۔

---

[1] منظورۃ السعداء فی احوال الغزوات والشہداء ص ۲۷

رفتہ رفتہ لشکرِ اسلام کے قائدین کو سید جعفر علی کے اچھے ادیب و انشا پرداز ہونے کا علم ہو گیا۔ ایک روز کا واقعہ ہے سید جعفر علی سید احمد شہید کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ سید صاحب کے بھانجے سید احمد علی بھی خدمت میں حاضر تھے۔ انھوں نے سید صاحب سے عرض کیا کہ اس شخص (سید جعفر علی) کے بارے میں حکم دیجیے کہ منشی خانہ کے منشی ہو جائیں۔ دو بار سید صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا تیسری بار سن کر فرمایا: جاؤ منشی خانہ میں رہو۔ اس کے بعد مولانا جعفر علی منشی خانہ میں جا کر خدمات انجام دینے لگے سلہ

سید جعفر علی رح کو مستقل قلمدان ملا ہوا تھا ان کا شمار باقاعدہ منشیوں میں تھا۔ مولانا غلام رسول مہر رقمطراز ہیں "متعدد اصحاب منشی خانہ سے وابستہ تھے، جن میں سے بعض کو قلمدان ملے ہوئے تھے یعنی وہ باقاعدہ منشی سمجھے جاتے تھے۔ بعض کے پاس قلمدان نہ تھے اگرچہ وہ عام طور پر منشیوں ہی میں شمار ہوتے تھے۔ اس محکمہ کے کارکنوں میں منشی محمدی انصاری کے علاوہ مندرجہ ذیل اصحاب کا ذکر آیا ہے۔ حافظ صابر، حافظ عبداللہ، منشی خواجہ محمد، مولوی محمد قاسم پانی پتی، منشی فضل الرحمن بردوانی (یہ منشی محمدی انصاری کے ماموں تھے) میر فیض علی گورکھپوری، سید جعفر علی نقوی صاحب منظورۃ السعداء، حافظ عبدالعلی پھلتی، مولوی ریاست علی مرہانی۔

سید جعفر علی نقوی نے لکھا ہے کہ آخری دو صاحبوں کے پاس قلمدان نہ تھے، اور ان کے لئے منشی خانہ میں بیٹھنا بھی لازم نہ تھا" سٰلہ

مولانا جعفر علی رح بہت اخلاص و تندہی کے ساتھ منشی خانہ کی خدمات انجام دیتے رہے۔ جہاد کے لئے جو لشکر مختلف محاذوں پر بھیجے جاتے کبھی کبھی ان کو میر منشی کے عہدہ پر لشکر کے ساتھ بھیجا گیا۔ خبروں کی تبییض کا کام موصوف ہی کے ذمہ کر دیا گیا تھا۔ سید جعفر علی نقوی جہاد کے لئے سرحد پہنچے اور منشی خانہ سے وابستہ ہو گئے تو خبروں کی تبییض کا کام انھیں سے لیا جاتا سٰلہ

سلہ منظورۃ السعداء فی احوال الغزوات والشہداء صفحہ ۴۴۔ سٰلہ جماعت مجاہدین صفحہ ۲۶
سٰلہ جماعت مجاہدین صفحہ ۲۲۷

میدانِ جہاد سے واپسی

مولانا سید جعفر علیؒ شہید صاحب کے پاس پہنچنے کے بعد کاروبارِ جہاد میں مصروف رہے منشی خانہ کی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے پورا کرنے کے ساتھ وہ تمام اہم جنگوں میں شریک ہوئے اور انھوں نے بڑی ثابت قدمی، جانفشانی سے جہاد کیا۔ بعض بعض معرکوں میں فوجوں کی قیادت کی۔ جنگ بالاکوٹ جو سید صاحب کی معیت میں آخری معرکہ تھا، جس میں سرکردہ مجاہدین نے شربت شہادت نوش کیا۔ اس میں سید جعفر علیؒ بھی بہت بے جگری سے لڑے۔ لیکن شہادت ان کے مقدر میں نہ تھی۔ بالاکوٹ میں سید صاحب کی شہادت کا یقین ہونے کے بعد مجاہدین میں مایوسی پھیل گئی۔ بہت سے دوسرے مجاہدین کی طرح سید جعفر علیؒ نے وطن واپس آنے اور دوسرے طریقوں پر دین کی خدمت کا پروگرام بنایا۔

شیخ ولی محمد پھلتی جن کو باقی ماندہ مجاہدین نے باقاعدہ امیر بنالیا تھا۔ ان سے اجازت لے کر اور تقصیریں معاف کرا کے موصوف چند اور حضرات کے ساتھ ۲۷ ذی الحجہ ۱۲۴۶ھ ۸ جون ۱۸۳۱ء کو وطن کے لئے روانہ ہوئے۔ پنجاب، دہلی، لکھنؤ، فیض آباد، گورکھپور ہوتے ہوئے اپنے وطن مجھوا میر پہنچے[۱] غلام رسول مہر مرحوم نے سفرِ مراجعت کی پوری تفصیل جماعت مجاہدین میں درج کی ہے اس لئے ہم ان تفصیلات کو بیان نہیں کرتے۔

مدارس اسلامیہ کا قیام

جہاد سے واپسی کے بعد مولانا سید جعفر علیؒ مایوس ہو کر نہیں بیٹھے۔ بلکہ انھوں نے ہندوستان میں اسلام کی بقا و تحفظ کے لئے ایک منصوبہ بنایا اور اس کو بروئے کار لانے کے لئے اپنی پوری زندگی وقف کردی۔ مولانا کے پروگرام کے دو اہم جز تھے۔ اول مدارس اسلامیہ کا قیام دوم تبلیغ دعوت بیعت و ارشاد کے ذریعہ مسلمانوں کی اصلاح۔

مولانا کی دوربین نگاہوں نے مستقبل کے خطرات کو دیکھ لیا تھا۔ وہ حالات کا جائزہ لے کر سمجھ چکے تھے کہ مسلمانوں کی رہی سہی حکومت بھی اب تباہی کے دہانہ پر ہے۔ مسلم سلطنتوں، ریاستوں کے زیرسایہ چلنے والے مدارس اور کام کرنے والے علماء چراغِ سحری ہیں۔ ان کے بعد علوم اسلامیہ تیموں

---

[۱] جماعت مجاہدین از ص۲۰۸ تا ص۲۱۲

کی طرح کس مپرسی کے عالم میں ہوں گے۔ اسلام اور علوم دینیہ کے مستقبل پر غور کرکے مولانا غمگین اور مضطرب ہو جاتے۔ عرصہ دراز تک غور و فکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ایک متبادل تجویز ڈالی۔ انھوں نے شہر شہر، گاؤں گاؤں مکاتب و مدارس کھولنے کا پروگرام بنایا۔ ان مدارس کے اخراجات کی ذمہ داری کسی ایک امیر و رئیس کے سر پر نہیں ڈالی۔ بلکہ عام مسلمانوں کی امداد و اعانت اور نصرتِ خداوندی کو ان مدارس کا سرمایہ قرار دیا۔ موصوف نے صوبہ بہار، نیپال کی ترائی اور یوپی کے پوربی اضلاع میں کثرت سے اس قسم کے مدارس قائم کئے۔ مولانا کے قائم کردہ چند مدارس اب بھی کسی نہ کسی حالت میں باقی ہیں۔ صاحب نزہۃ الخواطر رقمطراز ہیں:۔

واسس المدارس تعلیم القرآن	انھوں نے مادھوپور، سمرا اور دوسری بہت
والحدیث فی "مادھوپور" و "سمرا"	سی بستیوں میں قرآن و حدیث کی تعلیم کے لئے
وفی غیرھما من القری الکثیرۃ۔ ؎	مدارس قائم کیے۔

مولانا کا پروگرام یہ تھا کہ جلد از جلد دینی مدارس و مکاتب کا جال پھیلا دیا جائے، اس لئے وہ کسی مدرسہ میں زیادہ مدت مقیم نہیں رہے۔ مدرسہ قائم کرکے کسی کو اپنا نائب بناتے اور وہاں سے رخصت ہو کر دوسرے علاقہ میں مدرسہ قائم کرتے۔ پھر وہاں کا نظم و نسق درست کرکے کسی اور علاقہ میں چلے جاتے۔ مولانا کو اپنے قائم کردہ کسی مدرسہ میں کافی دنوں قیام کرنے کا موقع نہیں ملا اس لئے ان مدارس کا معیار زیادہ بلند نہ ہو سکا۔ لیکن ان کے اس پروگرام سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ لوگوں کے اندر دینی علوم کے پڑھنے پڑھانے کا جذبہ از سرِ نو ابھر آیا۔ اگر مولانا سید جعفر علیؒ کو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی طرح اچھا اور فعال رفقاء ملے ہوتے تو مدارس اسلامیہ کی تحریک بہت پہلے برگ و بار لا چکی ہوتی اور مدارس زیادہ تعداد میں ہندوستان کے چپہ چپہ پر پھیل جاتے۔

؎ نزہۃ الخواطر ص۱۱۹ ج ۷۔